اس کے بعد حالات نے پلٹا کھایا حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ملک میں اسلام اور مسلمانوں کی بقاء و حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، یقیناً وہ اس بارے میں "امتِ وحدہ" کی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدرسہ عالیہ کلکتہ چلے گئے جہاں ان جیسے باشعور اور صاحب علم شخصیت کی ضرورت تھی، باقی رہے حضرت مفتی صاحب تو انھوں نے ندوۃ المصنفین کو مقصدِ ہستی بنا کر اسی میں پڑے رہے، دونوں رفقاء کی جدائی کے بعد مفتی صاحب کی ذات ہی اس کے قیام و بقاء کی ضامن رہی، اس دور کے بعد ندوۃ المصنفین سے مختلف دینی و اسلامی موضوعات پر اعلیٰ معیار کی بہت سی کتابیں شائع ہوئیں جو مفتی صاحب کے حسنِ ذوق اور حسنِ انتظام کا مظہر ہیں۔

کسی ادارے کے قیام میں چند ہی اشخاص پیش پیش ہوتے ہیں، اور بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اس ادارے کی حیثیت ذاتی اور شخصی ہے، مگر ایسا نہیں ہوتا ہے، بلکہ آگے چل کر اپنے بانیوں کے مکتبِ علم و نظر کا ترجمان بن جاتا ہے، یہی حال ندوۃ المصنفین کا رہا ہے کہ ابتداء میں چند فضلائے دارالعلوم دیوبند نے اس کی بنیاد رکھی، اور بعد میں اس طبقہ کی تصنیفی و اشاعتی خدمات کا مرکز بن گیا، یوں تو فضلائے دارالعلوم نے تصنیف و تالیف کے میدان میں اپنی تصانیف کا انبار لگایا ہے درسیات کے شروح و حواشی میں اُردو، عربی اور فارسی زبانوں میں مستند کتابیں لکھیں، بدعات و فرقِ باطلہ کے ردّ و مقابلہ میں کتابوں کے انبار لگائے، اور مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں لکھیں اور مجموعی اعتبار سے ہندوستان کا کوئی دینی و علمی ادارہ مختلف الجہات تصانیف میں ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے، اس کے باوجود ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ زبان و ادب اور علم و تحقیق کے جدید اسلوب و معیار کے مطابق تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت کے سلسلے میں فضلائے دارالعلوم کا ادارہ ہونا چاہیے۔ اسی احساس و ضرورت کے پیشِ نظر ندوۃ المصنفین کا قیام چند اہلِ علم کی طرف سے ہوا جو بعد میں ان کے مکتب علم و نظر کا ترجمان ثابت ہوا۔ یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ اس کے بانی اور ابتدائی مصنفین حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی درس گاہ کے ممتاز فضلاء ہیں، جو حضرت شاہ صاحب کے میکدۂ علم و تحقیق کے رندانِ بلا نوش تھے، اور شاہ صاحب

کی تعلیم و تربیت نے ان میں علمی و تحقیقی ذوق پیدا کر دیا تھا، نقی صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب، مولانا بدر عالم صاحب، مولانا قاضی زین العابدین صاحب وغیرہ ندوۃ المصنفین کی خشتِ اول ہیں اور یہ سب کے سب حضرت شاہ صاحب کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان حضرات نے اپنی بہترین خدمات سے ندوۃ المصنفین کو فضلائے دارالعلوم کا ترجمان بنا دیا تھا، بعد میں ان میں ہر ایک ضرورت کے ماتحت دوسری علمی و دینی مصروفیات میں لگ گیا اور مفتی صاحب ندوۃ المصنفین کی قسمت بن کر اسی میں پڑے رہے اور اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر دی، مگر کبھی انھوں نے اس کو ذاتی اور نجی ادارہ کی حیثیت نہیں دی، مسلم پرسنل لاء بورڈ کا پہلا عظیم الشان اجلاس بمبئی میں ہوا جس میں مولانا اکبر آبادی اور نقی صاحب نمایاں طور پر شریک تھے، قیام گاہ دونوں بھائی کی ایک ہی جگہ تھی، میں بھی موجود تھا، ندوۃ المصنفین کے سلسلہ میں بات چلی اور دونوں بھائیوں میں اچھی خاصی ہرا درانہ جھڑپ ہوتی رہی۔ نقی صاحب میرے بارے میں کہتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ بمبئی سے دہلی ندوۃ المصنفین میں چلیں، مگر حالات ایسے ہیں کہ ان کے قیام کا انتظام اطمینان بخش نہیں ہو سکتا، یہ قانع آدمی ہیں، تھوڑا بہت کچھ انتظام ہو جاتا تو میں ان کو لے جاتا، اس پر مولانا اکبر آبادی صاحب نے کہا کہ میاں تم سے میں بار بار کہتا ہوں کہ ندوۃ المصنفین کو کسی کھلی جگہ لے چلو۔ اور اس میں کچھ لوگوں کو رکھو، مفتی صاحب نے کہا کہ تم مجھے یہ بات کہتے ہو اور خود ہمدرد نگر میں پڑے ہو، بار بار کہتا ہوں کہ یہ سب چکر چھوڑو اور ندوۃ المصنفین کو آگے بڑھاؤ۔

مفتی صاحب کے رفقاء اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے ندوۃ المصنفین سے فکری طور سے منسلک رہنے کے باوجود ان کو اس کی ترقی کے مواقع نہ مل سکے، اور مفتی صاحب اس کو قوم کی علمی امانت سمجھ کر زندگی بھر اس کے امین رہ کر کوشش کرتے رہے کہ ادارہ زندہ رہے اور آگے بڑھے، راقم کے نام حضرت مفتی صاحب کے جو خطوط ہیں، ان سے ندوۃ المصنفین کی بقاء و ترقی کے لئے ان کی تڑپ کا پتہ چلتا ہے، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ۱۸ اگست ۱۹۶۶ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں "ادارے کے حالات ناقابلِ بیان حد تک نازک ہیں، ہر مہینے یہی انتظار رہتا ہے کہ پاکستان سے سلسلہ کھلے اور کام جاری ہو

یہ پورا سال انتہائی پریشانی میں گذرا ہے، اور اب پانی سر سے اونچا ہے۔ افسوس دوستوں تک کو یہ احساس نہیں کہ ندوۃ المصنفین جیسے بہترین علمی اور مذہبی ادارے پر کیا بیت رہی ہے، جس روز بند ہو جائے گا دنیا ماتم کرے گی، بمبئی میں کام کی اچھی خاصی گنجائش ہے مگر کرے کون؟ غیر ضروری کاموں کے لئے روپیہ جمع ہو جائے گا، مگر ندوۃ المصنفین کو چند لائف ممبر، چند خاص ممبر اور بہت سے عام ممبر نہیں ملیں گے یا للعجب"

"۱۱ر مارچ ۱۹۷۰ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں "کیا عرض کروں پاکستان سے کاروبار بند ہونے سے ادارہ کا ڈھانچہ بگڑ رہا ہے، محض ساکھ ہے کہ گاڑی کھسک رہی ہے"۔

۲۹ر ستمبر ۱۹۷۰ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں۔" قانون فطرت کی رنگینیاں بھی عجیب ہیں، جب قویٰ جاندار اور مضبوط ہوتے ہیں۔ فرصت ہی فرصت رہتی ہے اور جس وقت بڑھاپا اپنی تمام ناتوانیوں اور برکتوں کے ساتھ آتا ہے، بے پناہ مشغولیتیں ہو جاتی ہیں، بہرحال جو کچھ بن پڑتا ہے ہو جاتا ہے"

۸ر جولائی ۱۹۷۱ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں۔ "بہت دنوں سے اس ارادے میں ہوں کہ بمبئی آکر ادارے کا حلقۂ معاونین بنایا جائے۔ اس مشکل وقت میں اس سے بھی مدد ملے گی، کچھ لائف ممبر، کچھ معاونین خاص، اور ایک تعداد معاونوں کی مل جائے گی بشرطیکہ ایک ہفتہ قیام ہو اور کوئی دوسرا کام ساتھ نہ ہو اور احباب بھی بھرپور تعاون کریں"۔

۲۴ر اپریل ۱۹۷۲ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں" آپ حضرات کو اب ادارے کیطرف خاص توجہ کرنی چاہئے۔ نازک وقت آگیا ہے، ایسے ادارے روز روز قائم نہیں ہوا کرتے۔ آپ حضرات کم سے کم معاونین کے حلقوں کی توسیع کا کام کر سکتے ہیں"۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۷۲ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں۔ "کیا عرض کروں؛ حوصلہ تو بہت کچھ ہے لیکن مزاج کی افتاد اور وسائل کی کمی کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہوں، دُنیا کہاں سے کہاں پہونچ گئی مگر ندوۃ المصنفین اسی بے نوائی کے عالم میں ہے، ان دنوں میں اور بھی زیادہ دشواری ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ کارساز ہے"۔

ذاتی اور نجی خطوط میں تقی صاحب نے ندوۃ المصنفین کی بقاء و تحفظ کے بارے میں جس دل سوزی اور تڑپ کا اظہار کیا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس ادارے کو مقصد زندگی سمجھتے تھے،

اسی طرح انہوں نے اپنے دوسرے مخلصوں اور دوستوں کو اس کے بارے میں لکھا ہوگا، یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ندوۃ المصنفین پر تباہی و بربادی کی جو آندھی چلی تھی اس میں اس کا وجود ختم ہو چکا تھا، اگر مفتی صاحب اس آندھی میں جمے نہ رہتے، تو یہ ادارہ اسی زمانہ میں ختم ہو گیا ہوتا، اسلامی علوم و فنون کی صدہا نادر و نایاب اور معیاری کتابیں وجود میں نہ آئی ہوتیں اور کئی اہلِ علم اچھے مصنفین کی صف میں نہ آتے، مفتی صاحب ادارے اور دوسری سیاسی قومی اور سماجی خدمات و مصروفیات کی وجہ سے خود زیادہ نہ لکھ سکے، مگر کئی لوگوں کی حوصلہ افزائی کر کے ان کو اہلِ قلم بنا دیا، اس وصف میں مفتی صاحب کو امتیاز حاصل ہے، بلند حوصلگی، عالی ظرفی، اور وسعتِ نظر کے ساتھ مفتی صاحب کا ذہن و مزاج ہر قسم کے تعصب سے پاک تھا اور وہ اچھا کام کرنے والوں کی قدر شناسی اور ہمت افزائی کرتے تھے، ایک مرتبہ ندوۃ المصنفین میں مفتی صاحب کے بعض مخلصین و محبین بیٹھے تھے راقم بھی وہاں موجود تھا، بات جمعیۃ العلماء کی ہو رہی تھی، مفتی صاحب نے نہایت صاف و صریح لفظوں میں کہا کہ ہمارا مزاج اختلاف کا نہیں ہے، کام ہونا چاہیئے، بھوپال میں میرے محبین و مخلصین نے متوازی جمعیۃ بنانے پر اصرار کیا، مگر میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ میرا مزاج معرکہ آرائی اور جھگڑے کا نہیں ہے، مولوی اسعد میاں نوجوان آدمی ہیں، کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور کام کر رہے ہیں، اس لئے اختلاف کر کے کام میں رکاوٹ ڈالنا دانشمندی کی بات نہیں ہے، بلکہ ہم کو موقع ہو تو تعاون کرنا چاہئے"۔

مفتی صاحب کی سلامت روی اور عالی ظرفی نے ان کو ہر طبقہ میں مقبول بنا دیا تھا، اور وہ ندوۃ المصنفین کے علمی مرکز میں بیٹھ کر انواع و اقسام کی خدمات کیا کرتے تھے۔

الغرض قیام ندوۃ المصنفین سے وفات ۱۲ مئی ۱۹۸۴ء تک مفتی صاحب ندوۃ المصنفین کو سینے لگائے رہے، اس درمیان میں حوادث و فتن کے چھوٹے بڑے طوفان اٹھتے رہے، سرد و گرم حالات پیدا ہوتے رہے اور ندوۃ المصنفین کا وجود خطرہ میں پڑتا رہا، مگر مفتی صاحب عزم و ارادہ کا کوہ گراں بنکر اپنے حسن انتظام، حکمتِ عملی اور صبر و استقامت سے اس کی حفاظت و صیانت کرتے رہے جس

بقیہ صفحہ ۳۶

بڑے باپ کے بڑے فرزند

مفکرِ ملّت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

از محمد سالم صاحب بن مولانا عبدالاحد صاحب

محلہ ابوالبرکات سفید مسجد دیوبند۔ یو۔ پی

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم و بانی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۱۹ھ میں اپنے آبائی وطن دیوبند میں پیدا ہوئے، آپ عارف باللہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مرحوم و مغفور کے فرزند ارجمند ہیں۔ ابتداہی سے اللہ تعالیٰ نے علمی ذوق ودیعت فرمایا تھا اور پھر شروع ہی سے علمی ماحول میں پرورش پائی اس لئے خالص علمی اور ادبی ذوق کے آدمی تھے۔ طالب علمی ہی کے دور سے آپ کی ملکی اور سیاسی معاملات سے دلچسپی رہی چنانچہ اپنے طالب علمی ہی کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں جمعیتہ الطلباء کے عظیم الشان نظام کی بنیاد ڈالی جس نے ملکی یا سیاسی تحریکوں میں بالخصوص خلافت کے دور میں نہایت ہی شاندار کارنامے انجام دیئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ایک عظیم شخصیت تھے۔ مرحوم دیوبند کے عثمانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ نے ایک علمی گھرانے میں جنم لیا۔ آپ کے والد حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ایک بلند پایہ عالم تھے۔ ایک قابلِ قدر مفتی تھے۔ شرعی احکام اور ان کی جزئیات پر مرحوم کی گہری نگاہ تھی، اپنے ہمعصروں میں آپ کا مقام نہایت اونچا تھا حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ یوں تو شاہ صاحبؒ کے اور بھی خلفاء تھے اور سبھی اپنی اپنی جگہ عظیم شخصیتوں کے مالک تھے لیکن ان سب میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کو گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے امتیاز کا درجہ حاصل تھا۔ علمی اور عملی بلندیوں پر فائز ہونے